

حرمة السود
فی
مسالة العقود

☆☆☆☆☆☆☆

تحقیق وتدوین:

محمد مرصاد حیدر تیمور آسوی

معاہدوں کے مسئلہ میں سود کی حرمت

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ: "زید کاروبار کے لیے عمرو کو یا بینک کو اپنے پیسے دیتا ہے بطور سرمایہ اور عمرو یا بینک اس کے پیسوں کو کسی کام میں لگانے کے بعد جو منافع ہو اسے زید کے ساتھ بھی تقسیم کرتے ہیں جبکہ نقصان کی صورت میں عمرو یا بینک خود ذمہ دار ہیں، زید کہتا ہے اس کو اس کی اصل رقم واپس کی جائے گی بغیر نقصان کے، کاروبار میں نقصان بینک یا عمرو کی ناقص پالیسی کے سبب ہے جس میں زید کا کوئی قصور نہیں لہٰذا زید کا اپنا اصل سرمایا واپس لینا اس کا حق ہے نا کہ سود اور ایسا کرنا فطری بات ہے"۔

الجواب بعون الوهاب حمداً لک یا مسبب الاسباب مالک الارباب دافع البلاء و العذاب و الصلوٰة والسلام علیٰ مشفع الحساب و المیزان صاحب القرآن شارع السلام و الایمان و علی اصحابه الکرام و ازواجه العظام و آله القوام اما بعد فاعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم بسم الله الرحمٰن الرحیم "واحل الله البیع و حرم الربوا" صدق الله العظیم و صدق رسول النبی الکریم

ترتیب و معمولاتِ کائنات میں جو تحرک از خود موجود ہے فطرت ہے الا یہ کہ اس میں مخلوق کی جانب سے بدعت شاملِ حال نہ ہو جائے۔ بحیثیتِ نفس و عادت ہر مخلوق جس نہج پر گامزن رہتی ہے وہی اس کی فطرت کہلاتی ہے لیکن اس شاہراہ سے ہٹنے پر جدت و ذلت کا وجود فطرت کے مقابل ہے دوسرے ہاتھ مخلوق میں انسان تغیر کا عامل و داعی بھی ہے اس واسطے ضروری امر ہے کہ اسے فطرت پر قائم رکھنے کے لیے کچھ حدود متعین کی جائیں جس سے بڑھتے ہوئے تغیرات و افکار قوانینِ فطرت کے حصار سے باہر نا جائیں، بس انہیں قیود کو عربی میں دین اردو میں نظام اور انگریزی میں سسٹم کہتے ہیں۔ جبکہ حالات کے اعتبار سے من جانبِ رب تعالیٰ ضروری دین قائم ہوتا رہا اور اس کی حتمی تکمیل کو اسلام سے موسوم کرتے ہوئے قیامت تک کافی کر دیا اب جملہ جہان میں یہی اکلوتے دین کو باعتبارِ رازدانِ فطرت بقا ہے۔ جان لیں کہ یہ احساسِ فطرہ وہ نہیں جو انسانی عقل قائم کرے بلکہ رب اللہؐ کے ہاں جو اصح نظام ہے وہی مخلوق کی فطرت ہے جس پر وہ پیدا کی گئی ہے اور اسی کی قیود میں جو نظام اللہؐ کے ہاں ثابت ہے اس کی تبشیر "ان الدين عند الله الاسلام" سے واضح ہے۔

اس تمہید کے بعد موضوع کی جانب قدم رنجا کریں تو ذیل میں مذکورہ بحث انسانوں کے مابین لین دین کے معاملات میں موجود ایک اخلاقی، معاشی و معاشرتی لعنت کے متعلق ہے جسے زبانِ عام میں "سود"، عرب میں "ربا" اور انگریزی میں "interest" سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ربا کے لغوی و اصطلاحی معنی:

اول اس لفظ "ربا" کا لغوی و اصطلاحی معنی سمجھیں تا کہ موضوع آسان ہو، ربا سے لغت میں مراد "زیادتی، اضافہ، بالیدگی" کے ہیں۔[1] جبکہ اصطلاح میں اس سے مراد "کسی قسم کی بڑھوتری جو کسی محنت کے بغیر اور کسی منافع کے سوا ملے ربا، سود ہے"۔[2]

---

[1](المعانی، لکل رسم معانی/ لسان العرب/ تاج العروس وغیرہا)

[2] **نوٹ:** سود کی شرح، قیمت متعین نہیں ہے لہٰذا اربوں روپے سے لیکر ایک روپے حتیٰ کہ ایک قطرہ بھی اگر ناجائز منافع ہو تو سود ہے دونوں پر حکم یکسر ہے۔

اس پر مفصل بحث سے قبل اس کی حرمت کو جان لیں تا کہ قاری کے قلب و ذہن میں اس کی حساسیت پیدا ہو اور وہ ہر اس معاملے کا جائزہ پھونک پھونک کر لے جس میں سود کا شبہ بھی موجود ہو سکتا ہے۔ اختصار سے ایک حدیث مبارکہ ملاحظہ ہو:" عن جابر رضی الله تعالی عنه قال: "لَعَن رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ آکل الربا موکله و کاتبِهِ وَ شَاهِدَیه" وقال: "هم سواء" [3] ترجمہ:"رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سودی معاہدہ کو لکھنے والے اور اس معاہدے کے دونوں گواہوں پر لعنت بھیجی ہے اور اس لعنت میں یہ سب برابر شریک ہیں"۔

اس کے علاوہ بیشتر احادیث اس کہ حرمت پر موجود ہیں جن میں سے بعض کے مفاہیم کے اندر سود زنا سے بدتر ہے اور یہاں تک کہ "ایسرها ان ینکح الرجل امه" (سب سے کم حصہ یہ کہ ایک شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے)۔ [4]

یہ تو ہو گئی سود کی حرمت اب اس کی مقدار و زاویے پر آتے ہیں۔ جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہوا کہ سود کی مقدار متعین نہیں ہے، جتنا بھی ہو سود ہے جس بھی نام سے ہو سود ہی ہے۔ مگر بعض اوقات معاملہ ایسا ہو جاتا ہے کہ لینے والے کو فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور انجانے میں بھی سود کی لعنت کا متحمل ہو جاتا ہے اس کی حساسیت کا اندازہ یہاں سے کریں کہ "وعنه ایضاً عن النبي الله قال: اذا اقرض الرجل فلا یاء خذ هدیة" [5] (حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو قرض دے تو اس سے کوئی ہدیہ قبول نہ کرے"۔ ایک اور حدیث میں اور الفاظ بھی ہیں جن میں سواری، ایک پلیٹ کھانا وغیرہا بھی قبول نہ کرے الا کہ ان میں قرض کے علاوہ یہ معاملات چلتے ہوں)۔ یعنی جب مقروض قرض واپس کرے تو لینے والے کو چاہیے اس وقت کچھ بھی اضافی مت لے، حتی کہ اگر دینے والا صلح بھی مارے کچھ کھانے پینے کی اگرچہ نیت سود کی نہیں پھر بھی احتیاط ہے اور منع ہے کہ وہ نا کھائے نا کچھ لے کہ اس سے سود کا چلن شروع ہو گا۔ ایک اور روایت دیکھیں:" أجمع المسلمون، نقلاً عن نبیهم ان اشتراط الزیادة في السلف ربا ولو كان قبضة من علف كما قال ابن مسعود ، او حبة واحدة" [6] (تفسیر قرطبی کی رُو سے مسلمانوں کا انکے نبی ﷺ کی روایات کی بنیاد پر اجماع ہے کہ قرض کے لیے یہ شرط کہ اس سے زیادہ رقم ادا کی جائیگی ربا ہے، خواہ وہ زیادتی مٹھی بھر چارہ ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، یا اناج کا ایک دانہ)۔ [7]

نوٹ: سود سے مراد ہر گز وہ اضافہ ہی نہیں ہے جو قرض کے بعد لیا جائے بلکہ سرمایہ داری میں بھی جو بغیر نفع کے اضافی ملے سود ہے، اور مذکورہ بالا احادیث میں جس قرض کا ذکر ہے اس سے مراد سرمایہ کاری ہی ہے نا کہ اپنی ضروریات کا قرض، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اب آتے ہیں زید کے سوال کی جانب کہ سرمایہ کاری کے بعد کاروبار میں نقصان کی صورت میں کیا زید کو اصل سرمایہ واپس ملے گا یا نقصان بھی برداشت کرنا ہو گا؟

تو جان لیجے سود کی دو اقسام ہیں:

1. ربا النسیئة
2. ربا الفضل

---

[3] (رواه مسلم والترمذی و احمد)

[4] (ابن ماجه، بیهقی فی شعب الایمان)

[5] (رواه البخاري في تاریخه)

[6] (تفسیر القرطبی، طبعة ثالثة، 1967، دارالکتاب العربی، القاہرہ، ج 3، ص 241)

[7] (حرمتِ سود از عمر چھاپرا، طبع نومبر 2009، مطبوعه نوید حفیظ پرینٹر ، لاہور ، ص 32)

ان دونوں کو سمجھے بغیر زید کسی بھی مغالطے کا شکار ہو سکتا ہے اور بلا تردد سود کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔ پہلی قسم کی جانب بڑھتے ہیں کہ ربالنسیۂ ہے کیا؟

ربا النسیۂ:

نسیۂ کی اصطلاح کی بنیاد "نساءً" ہے جس کے معنی ملتوی کرنے مؤخر کرنے یا انتظار کرنے کے ہیں اور مراد وہ مہلت ہے جو قرض دینے والا مقروض کو سود کے عوض قرض ادا کرنے کے لیے دیتا ہے۔ یعنی اگر ایک سال کے بعد قرض ادا کرے گا تو اصل کے علاوہ اس کو اتنی رقم دینی ہوگی اور اگر اس کے بعد مہلت میں توسیع کی ضرورت ہے تو کتنی رقم اور دینی ہوگی۔ اس طرح ربا النسیئۃ اُس سود کے مساوی ہے جو آج کل قرض پر لیا جاتا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۵ (وَاحَلَّ اللہُ البَیْعَ و حَرَّمَ الرِّبوا) میں ربا کی اصطلاح کا استعمال اس معنی کے لئے کیا گیا ہے اس لئے اس ربا کو "ربا القرآن اور ربا الدیون" بھی کہا جاتا ہے یعنی وہ ربا جسکی حرمت قرآن میں آتی ہے یا وہ ربا جو قرضوں پر واجب الادا ہے۔

ربالنسیہ کی حرمت کا لازمی مطلب یہ ہے کہ شریعت میں اس بات کی اجازت نہیں کہ کسی قرض کی ادائیگی کے لئے جو مہلت دی جاتی ہے اس کے عوض کے طور پر ایک مثبت شرح کے حساب سے معاوضہ لیا جائے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ادائیگی کی شرح کم ہو یا زیادہ (interest or usury) پہلے سے متعین کی گئی ہو یا قابل تغیر (variable) ہو، اور نقد کی صورت میں ہو یا تحفے اور خدمت کی، اور قرض لیتے وقت ادا کی جائے یا بعد میں قرض کی ادائیگی کے وقت۔ یہ سب طریقے ربا کی تعریف میں داخل ہوتے ہیں۔ اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ قرض ذاتی اخراجات (consumption) کے لیے لیا گیا ہے یا تجارت وصنعت و حرفت (production) کے لیے۔

ایک احتمال کا ازالہ:

بعض لوگ اسے صرف قرض کے لین دین سے ہی تعبیر کرتے ہیں نا کہ سرمایہ سے، یہ دلیل بالکل بے بنیاد ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں سود اس لئے حرام کیا گیا تھا کہ اس وقت غریب لوگ ہی اپنی اشد ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے قرضے لیتے تھے اور اس طرح ان کا استحصال ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ غریب لوگوں کی ضروریات زندگی اسلام کے فلاحی نظام میں قرضہ لئے بغیر ہی پوری ہو جاتی تھیں۔ امیر لوگ ان کی مدد کرتے تھے اور اگر کسی کی اس طرح مدد نہ ہو سکے تو بیت المال موجود تھا۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس مثالی معاشرے میں امیر لوگ غریبوں کی فی سبیل اللہ مدد کرنے کے بجائے انہیں قرض دینگے اور وہ بھی سود پر۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اُس زمانے میں قرضے تجارت ہی کے لیے دیے جاتے تھے۔ جب قافلے دور دراز کے علاقوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے تو ان کو کافی سرمایہ کی ضرورت ہوتی تھی تا کہ وہ برآمد کے لائق تمام چیزیں خرید کر لے جائیں اور انہیں بیچ کر جو پیسہ وصول ہو اس سے معاشرہ کی تمام ضروری اشیاء درآمد کر سکیں۔ ایسی تجارت میں کافی وقت لگتا تھا اور سرمایہ ایک لمبی مدت کے لیے منجمد ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ موسموں کی سختی، راستے کی دشواری اور ڈاکہ زنی کی وجہ سے خطرات بھی بہت تھے۔

بیسویں صدی کے ممتاز عالم شیخ ابو زہرہ سے لیکر پرنسٹن یونیورسٹی کے ڈیپارٹمنٹ آف مڈل ایسٹرن اسٹڈیز کے چیرمین پروفیسر ابراہام یوڈووچ، انہوں نے لکھا ہے کہ: "مشرق وسطیٰ کے بارے میں تاریخ کے پنوں میں ایسی کوئی دلیل قابل قبول نہیں ملتی جو یہ ثابت کرے کہ اس زمانے میں قرض صرف ذاتی اخرجات کو پورا کرنے کے واسطے لیے جاتے تھے"۔ [8]

---

[8](حرمتِ سود، ص 22, 23)

مزید یہ کہ:

"whereas it was customary for merchants and others to keep at least a portion of their money on deposit with merchant bankers ... there is no evidence whatsoever that any interest or other type of premium was paid to depositors."[9]

ربا الفضل:

تجارتی سودوں میں جو "فاضل" رقم تاجر یا خریدار دھوکے اور بے ایمانی کے ذریعے اپنے مدمقابل سے حاصل کرتا ہے اسے "ربا الفضل" کہتے ہیں۔ یاد رہے رباہر وہ زیادتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرضوں پر سود ربا النسیئہ ہے تو پھر ربا الفضل کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں اسلام نے سود کو حرام اور تجارت کو جائز قرار دیا ہے وہاں اس نے تجارت میں ہر چیز کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام صرف اس ناانصافی اور ظلم کو ختم نہیں کرنا چاہتا جو سودی نظام میں ہوتی ہے بلکہ وہ تجارت سے بھی نفع کمانے کے تمام ناجائز اور غیر عادلانہ طریقے ختم کرنا چاہتا ہے۔ ربا الفضل کا مقصد ربا کے سبھی چور دروازوں کو بند کرنا ہے۔ سود تو سود اس کے مشابے یا ہر وہ کام جس میں ذرا شک بھی ہو سود کا وہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

حضرت عمر سے مروی ہے آپ نے فرمایا: "ان آخر ما نزلت آية الربا وان رسول الله ﷺ قبض ولم يفسرها لنا فدعوا الربا والريبه" (سب سے آخر میں ربا والی آیت نازل ہوئی اور اس کی مکمل تفسیر کرنے سے قبل رسول اللہ ﷺ رحلت فرما گئے۔ پس تم ربا بھی چھوڑ دو اور ریبہ بھی)۔ [10] (ریبہ یعنی ہر وہ چیز جس کے حلال ہونے کے بارے میں تمہیں شک ہو)۔

ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ مسلمان ستر طریقوں سے ربا میں ملوث ہو سکتا ہے، لہٰذا اس معاملے میں سختی کی ضرورت ہے اور نا صرف سود بلکہ ہر وہ راستہ جو سود کی جانب یا اس سے مشابہ ہو حرام ہے، کیونکہ فقہ کا اصول ہے کہ "ہر وہ چیز بھی حرام ہے جو حرام تک پہنچنے کا ذریعہ ہو"۔ اس لیے ہمیں اس مسئلہ کو باریکی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اختصار کے ساتھ ذیل میں ربا الفضل کی چار مثالیں پیش کر کے موضوع کو آگے بڑھاتے ہیں:

ربا الفضل اور اس کی امثال:

1. **غبن المسترسل:** وہ سیدھا سادھا شخص جسے بازار کے حالات کا علم نہیں اس سے کم دام پر چیز خرید کر بازار کے دام پر مہنگی کر کے بیچنا حرام و سود ہے۔
2. **نَاجِش:** اس شخص کو کہتے ہیں جو نیلام کے وقت اپنے ایجنٹ کھڑے کروا کر بولی بڑھاتا ہے تاکہ قیمت بڑھے اور پھر خریدنے والا اصل دام سے زیادہ قیمت ادا کرتا ہے، اس استحصال کو بھی سود کہتے ہیں۔
3. **سفارش کرنے والا** اس کا معاوضہ لے تو یہ بھی ربا الفضل یعنی سود ہے، فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے:"عن ابي امامة رضى الله تعالى عنه عن النبي الله انه قال: "من شفع لا خيه شفاعة ، فاهدى له هدية فقبلها فقد اتى بابا عظيما من ابواب الربا"، (حضرت امامہ سے

---

[9] (Origin and Development of Commercial and Islamic Banking Operations, by A. CHACHI, pg: 10)

[10] (رواه ابن ماجه والدارمی)

روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے بھائی کے حق میں سفارش کرنے کے بدلے ھدیہ قبول کرتا ہے تو وہ ربا کے دروازوں میں سے ایک بہت بڑے دروازے میں داخل ہو گیا)۔ [11]

4. چوتھی مثال جس کی جانب فقہا کی زیادہ توجہ گئی ہے اور اس کے بارے میں زیادہ تاکید ملتی ہے وہ یہ کہ اگر **ایک ہی جنس کی اشیاء کا تبادلہ** یعنی سونے کا سونے سے، چاندی کا چاندی سے تو اس میں دو شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے: (1) دونوں اشیاء مقدار و وزن کے اعتبار سے برابر ہوں (2) تبادلہ ہاتھوں ہاتھ ہو فوراً بلا تاخیر ہو۔ لیکن اگر دونوں چیزیں اپنی جنس کے اعتبار سے مختلف ہوں (مثلاً روپے کا تبادلہ ڈالر سے ہو) تو ان کے وزن و مقدار کے مختلف ہونے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان کا تبادلہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔ ان دونوں کا مقصد سود کے چور دروازوں کو بند کرنا ہے۔

ان سب لوازمات کا ذکر ضروری تھا کہ زید سود کے معاملات کو سمجھ جائے، اب آتے ہیں اصل سوال کی جانب، تو جان لیں اسلام میں انویسٹ یعنی سرمایہ کے کچھ طریقے ہیں جن میں ایک مضاربت دوجا مشارکت ہے ملاحظہ کیجئے:

مضاربت:

" المضارَبةُ هي عقدٌ على المالِ ليتّجرَ فيه العاملُ بجزءٍ معلومٍ من ربحِه "، (مضاربہ ایک ایسا عقد (معاہدہ) ہے جس میں ایک شخص سرمایہ (capital) دیتا ہے اور دوسرا شخص محنت (labor) سے کاروبار کرتا ہے، اور دونوں نفع (profit) میں طے شدہ حصے کے مطابق شریک ہوتے ہیں)۔ [12]

اگر نقصان ہو تو وہ صرف سرمایہ دار کے مال میں سے ہوتا ہے، اور مضارِب (کاروبار کرنے والا) کی محنت ضائع ہو جاتی ہے، لیکن وہ نقصان کا مالی ضامن نہیں ہوتا۔ [13]

مشارکت:

"المشاركةُ هي اجتماعُ اثنينِ فأكثرَ في رأسِ المالِ والربحِ على وجهٍ مخصوصٍ"، مشارکہ ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد اپنے مال (capital) کو شریک کرتے ہیں تاکہ وہ مشترکہ طور پر کاروبار کریں۔ [14]

اور نفع (profit) میں طے شدہ تناسب سے شریک ہوں، جبکہ نقصان (loss) مال کے تناسب سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ [15]

زید چاہے کاروبار میں صرف سرمایہ کرے یا شرکت دونوں صورتوں میں نفع و نقصان کا ضامن ہے فرق یہ کہ مضاربت میں نفع طے شدہ حصے کے مطابق اور نقصان سرمایہ دار کا مالی جبکہ مضارِب کی محنت وغیرہ بابرعکس مشارکہ میں نفع طے شدہ اور نقصان مال کے ضیاع کے تناسب سے ہوتا ہے۔ ایسے میں زید کا یہ کہنا کہ ناقص پالیسی میں اس کا کچھ حصہ نہیں لایعنی ہے کہ تاجر ساری محنت کرتا ہے رسک اٹھاتا وقت دیتا ہے لیکن نقصان بھی وہی اٹھاتا ہے کیا یہ منصفانہ تقسیم ہے؟؟؟ اس طرح زید کی پیش کردہ صورت اسلام کے عدل و انصاف کے تقاضوں کے بالکل خلاف تھی کہ جو تاجر اتنی محنت کرے اور بے شمار خطرات بھی مول لے وہ تو

---

[11] (رواه احمد و ابو داؤد/ بلوغ المرام كتاب البيوع، باب الربا)
[12] (بدائع الصنائع، ج ٦، ص 85 ؛ المجموع للنووي، ج ٩، ص ٣٩٩)
[13] (الدر المختار مع رد المحتار، ج 5، ص ٥٧۴)
[14] (المغني لابن قدامة، ج 5، ص ٢؛ بدائع الصنائع، ج ٦، ص ۵)
[15] (الهدايه، ج ٣، ص ١٠٧؛ المغنی، ج 5، ص ٣)

تجارت میں خسارے کا پورا بوجھ اٹھائے اور سرمایہ دار جس نے سرمایہ فراہم کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا اس کو تجارت میں نقصان ہونے کے باوجود صرف نفع ہی نفع ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سرمایہ دار کے لیے ضروری ٹھہرایا کہ وہ سود لینے کی بجائے نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہو۔ اگر وہ نقصان میں شریک نہیں ہونا چاہتا تو پھر وہ نفع میں بھی شریک نہیں ہو سکتا۔

شافعی مسلک کی رُو سے نفع کی بھی تقسیم سرمایہ کے تناسب سے ہونی چاہیے۔ یہ رائے اس مفروضے پر مبنی ہے کہ محنت اور صلاحیتوں کا جو حصہ مجموعی نفع میں ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے اور یہ کہ تمام حصہ دار اپنے سرمایہ اور نفع میں شرکت کی مناسبت سے محنت اور صلاحیتوں کو بھی کام میں لائیں گے۔ [16]

مسئلہ: اگر سرمایہ دار مضارب پر کاروبار کرنے میں پابندیاں عائد کرے، کہ فلاں کام میں پیسے نہیں لگانے، فلاں شہر میں کاروبار نہیں کرنا، اس کے بعد اگر مضارَب ان شرائط کی پابندی نا کرے اور نقصان اٹھائے تو سرمایہ دار کو حق ہے وہ اپنی اصل رقم واپس لے، ایسے میں سود نہیں ہو گا۔

نظامِ بینکاری اور سود:

بینک کے دو اکاؤنٹ ایک کرنٹ دو جا سیونگ، زید دوجے میں رکھوائی رقم کا مہانہ یا سالانہ منافع لیتا رہے گا جو کہ سود ہے کیوں کہ بینک نے صرف نفع دیا ہے نقصان نہیں بانٹا۔ اس کی جتنی بھی تاویلات کی جائیں سب بے سود ہیں کیونکہ قوانین اظہر ہیں کہ بغیر نفع و نقصان کی شراکت کے فقط نفع سود ہے۔ اس طرح کہ بینک میں پیسے رکھواتے وقت یا انوسٹ کرتے وقت ایک طے شدہ منافع قرار پاتا ہے، اب بینک اگر تو منافع میں گیا پھر تو ٹھیک لیکن اگر نقصان ہوا تو باوجود اس کے وہ طے شدہ منافع کی رقم سرمایہ دار کو دے گا یہ سود ہے۔

اسلام کے اس قانون کی غیر مسلم ماہرین معیشت نے بھی حامی بھری جبکہ اسے ہی قابل قبول کہا ہے۔ زید چونکہ مسلمان ہے اس واسطے اس کے لیے قرآن و سنت ہی کافی ہیں۔

مزید وضاحت کے لیے یہاں پر ایک آیت مع ترجمہ و تفسیر ملاحظہ کریں:

اَلَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا كَمَا يَقُوۡمُ الَّذِىۡ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ‌ؕ ذٰ لِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَيۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا‌ ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا‌ ؕ فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمۡرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ‌ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۞

ترجمہ:

مگر جو لوگ سُود کھاتے ہیں، اُن کا حال اُس شخص کا سا ہوتا ہے، جسے شیطان نے چُھو کر باؤلا کر دیا ہو۔ اور اس حالت میں اُن کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: "تجارت بھی تو آخر سُود ہی جیسی ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سُود کو حرام۔ لہٰذا جس شخص کو اس کے ربّ کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سُود خوری سے باز آ جائے، تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

تفسیر آیت:

اصل میں لفظ "رِبٰوا" استعمال ہوا ہے، جس کے معنی عربی میں زیادتی اور اضافے کے ہیں۔ اصطلاحاً اہل عرب اس لفظ کو اس زائد رقم کے لیے استعمال کرتے تھے جو ایک قرض خواہ اپنے قرض دار سے ایک طے شدہ شرح کے مطابق اصل کے علاوہ وصول کرتا ہے۔ اسی کو ہماری زبان میں سود کہتے ہیں۔ نزول قرآن کے وقت

---

[16](حرمتِ سود، حواشی باب سوم، ص 83)

سودی معاملات کی اور شکلیں رائج تھیں اور جنہیں اہل عرب "رِبٰوا" کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے وہ یہ تھیں کہ مثلاً دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لیے ایک مدت مقرر کر دیتا۔ اگر وہ مدت گزر جاتی اور قیمت ادا نہ ہوتی، تو پھر وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا۔ یا مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کو قرض دیتا اور اس سے طے کرلیتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل سے زائد ادا کرنی ہوگی۔ یا مثلاً قرض خواہ اور قرض دار کے درمیان ایک خاص مدت کے لیے ایک شرح طے ہو جاتی تھی اور اگر اس مدت میں اصل رقم مع اضافہ کے ادا نہ ہوتی، تو مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر دی جاتی تھی۔ اسی نوعیت کے معاملات کا حکم یہاں بیان کیا جارہا ہے۔

اہل عرب دیوانے آدمی کو "مجنون" (یعنی آسیب زدہ) کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے، اور جب کسی شخص کے متعلق یہ کہنا ہوتا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے، تو یوں کہتے کہ اسے جن لگ گیا ہے۔ اسی محاورہ کو استعمال کرتے ہوئے قرآن سود خوار کو اس شخص سے تشبیہ دیتا ہے جو مخبوط الحواس ہو گیا ہو۔ یعنی جس طرح وہ شخص عقل سے خارج ہو کر غیر معتدل حرکات کرنے لگتا ہے، اسی طرح سود خوار بھی روپے کے پیچھے دیوانہ ہو جاتا ہے اور اپنی خود غرضی کے جنون میں کچھ پروا نہیں کرتا کہ اس کی سود خواری سے کس کس طرح انسانی محبت، اخوت اور ہمدردی کی جڑیں کٹ رہی ہیں، اجتماعی فلاح و بہبود پر کس قدر تباہ کن اثر پڑ رہا ہے، اور کتنے لوگوں کی بدحالی سے وہ اپنی خوشحالی کا سامان کر رہا ہے۔ یہ اس کی دیوانگی کا حال اس دنیا میں ہے۔ اور چونکہ آخرت میں انسان اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت پر اس نے دنیا میں جان دی ہے، اس لیے سود خوار آدمی قیامت کے روز ایک باؤلے، مخبوط الحواس انسان کی صورت میں اٹھے گا۔

"یعنی ان کے نظریے کی خرابی یہ ہے کہ تجارت میں اصل لاگت پر جو منافع لیا جاتا ہے، اس کی نوعیت اور سود کی نوعیت کا فرق وہ نہیں سمجھتے، اور دونوں کو ایک ہی قسم کی چیز سمجھ کر یوں استدلال کرتے ہیں کہ جب تجارت میں لگے ہوئے روپے کا منافع جائز ہے، تو قرض پر دیے ہوئے روپے کا منافع کیوں ناجائز ہو۔ اسی طرح کے دلائل موجودہ زمانے کو سود خوار بھی سود کے حق میں پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جس روپے سے خود فائدہ اٹھا سکتا تھا، اسے وہ قرض پر دوسرے شخص کے حوالہ کرتا ہے۔ وہ دوسرا شخص بھی بہر حال اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ قرض دینے والے کے روپے سے جو فائدہ اٹھا رہا ہے، اس میں سے ایک حصہ وہ قرض دینے والے کو نہ ادا کرے؟ مگر یہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ دنیا میں جتنے کاروبار ہیں، خواہ وہ تجارت کے ہوں یا صنعت و حرف کے یا زراعت کے، اور خواہ انہیں آدمی صرف اپنی محنت سے کرتا ہو یا اپنے سرمایے اور محنت ہر دو سے، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے، جس میں آدمی نقصان کا خطرہ (Risk) مول نہ لیتا ہو اور جس میں آدمی کے لیے لازماً ایک مقرر منافع کی ضمانت ہو۔ پھر آخر پوری کاروباری دنیا میں ایک قرض دینے والا سرمایہ دار ہی کیوں ہو جو نقصان کے خطرے سے بچ کر ایک مقرر اور لازمی منافع کا حق دار قرار پائے؟ غیر نفع بخش اغراض کے لیے قرض لینے والے کا معاملہ تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیجیے، اور شرح کی کمی بیشی کے مسئلے سے بھی قطع نظر کر لیجیے۔ معاملہ اسی قرض کا سہی جو نفع بخش کاموں میں لگانے کے لیے لیا جائے، اور شرح بھی تھوڑی ہی سہی۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ ایک کاروبار میں اپنا وقت، اپنی قابلیت اور اپنا سرمایہ رات دن کھپا رہے ہیں، اور جن کی سعی اور کوشش کے بل پر ہی اس کاروبار کا بار آور ہونا موقوف ہے، ان کے لیے تو ایک مقرر منافع کی ضمانت نہ ہو، بلکہ نقصان کا سارا خطرہ بالکل انہی کے سر ہو، مگر جس نے صرف اپنا روپیہ انہیں قرض دے دیا ہو وہ بے خطر ایک طے شدہ منافع وصول کرتا چلا جائے! یہ آخر کس عقل، کس منطق، کس اصول انصاف اور کس اصول معاشیات کی رو سے درست ہے؟ اور یہ کس بنا پر صحیح ہے کہ ایک شخص ایک کارخانے کو بیس سال کے لیے ایک رقم قرض دے اور آج ہی یہ طے کر لے کہ آئندہ 20 سال تک وہ برابر 5 فیصدی سالانہ کے حساب سے اپنا منافع لینے کا حق دار ہوگا، حالانکہ وہ کارخانہ جو مال تیار کرتا ہے اس کے متعلق کسی کو بھی نہیں معلوم کہ مارکیٹ میں اس

کی قیمتوں کے اندر آئندہ بیس سال میں کتنا اتار چڑھاؤ ہو گا؟ اور یہ کس طرح درست ہے کہ ایک قوم کے سارے ہی طبقے ایک لڑائی میں خطرات اور نقصانات اور قربانیاں برداشت کریں، مگر ساری قوم کے اندر سے صرف ایک قرض دینے والا سرمایہ دار ہی ایسا ہو جو اپنے دیے ہوئے جنگی قرض پر اپنی ہی قوم سے لڑائی کے ایک ایک صدی بعد تک سود وصول کرتا رہے؟

تجارت اور سود کا اصولی فرق، جس کی بنا پر دونوں کی معاشی اور اخلاقی حیثیت ایک نہیں ہو سکتی، یہ ہے:

1. تجارت میں بائع اور مشتری کے درمیان منافع کا مساویانہ تبادلہ ہوتا ہے، کیونکہ مشتری اس چیز سے نفع اٹھاتا ہے جو اس نے بائع سے خریدی ہے اور بائع اپنی اس محنت، ذہانت اور وقت کی اجرت لیتا ہے، جس کو اس نے مشتری کے لیے وہ چیز مہیا کرنے میں صرف کیا ہے۔ بخلاف اس کے سودی لین دین میں منافع کا تبادلہ برابری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سود لینے والا تو مال کی ایک مقرر مقدار لے لیتا ہے، جو اس کے لیے بالیقین نفع بخش ہے، لیکن اس کے مقابلے میں سود دینے والے کو صرف مہلت ملتی ہے، جس کا نفع بخش ہونا یقینی نہیں۔ اگر اس نے سرمایہ اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے لیے لیا ہے تب تو ظاہر ہے کہ مہلت اس کے لیے قطعی نافع نہیں ہے۔ اور اگر وہ تجارت یا زراعت یا صنعت و حرفت میں لگانے کے لیے سرمایہ لیتا ہے تب بھی مہلت میں جس طرح اس کے لیے نفع کا امکان ہے اسی طرح نقصان کا بھی امکان ہے۔ پس سود کا معاملہ یا تو ایک فریق کے فائدے اور دوسرے کے نقصان پر ہوتا ہے، یا ایک یقینی اور متعین فائدے اور دوسرے کے غیر یقینی اور غیر متعین فائدے پر۔
2. تجارت میں بائع مشتری سے خواہ کتنا ہی زائد منافع لے، بہرحال وہ جو کچھ لیتا ہے، ایک ہی بار لیتا ہے۔ لیکن سود کے معاملے میں مال دینے والا اپنے مال پر مسلسل منافع وصول کرتا رہتا ہے اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا منافع بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مدیون نے اس کے مال سے خواہ کتنا ہی فائدہ حاصل کیا ہو، بہر طور اس کا فائدہ ایک خاص حد تک ہی ہو گا۔ مگر دائن اس فائدے کے بدلے میں جو نفع اٹھاتا ہے، اس کے لیے کوئی حد نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مدیون کی پوری کمائی، اس کے تمام وسائل معیشت، حتیٰ کہ اس کے تن کے کپڑے اور گھر کے برتن تک ہضم کر لے اور پھر بھی اس کا مطالبہ باقی رہ جائے۔
3. تجارت میں شے اور اس کی قیمت کا تبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد مشتری کو کوئی چیز بائع کو واپس دینی نہیں ہوتی۔ مکان یا زمین یا سامان کے کرایے میں اصل شے، جس کے استعمال کا معاوضہ دیا جاتا ہے، صرف نہیں ہوتی، بلکہ برقرار رہتی ہے اور بجنسہٖ مالک جائداد کو واپس دے دی جاتی ہے۔ لیکن سود کے معاملہ میں قرض دار سرمایہ کو صرف کر چکتا ہے اور پھر اس کو وہ صرف شدہ مال دوبارہ پیدا کر کے اضافے کے ساتھ واپس دینا ہوتا ہے۔
4. تجارت اور صنعت و حرفت اور زراعت میں انسان محنت، ذہانت اور وقت صرف کر کے اس کا فائدہ لیتا ہے۔ مگر سودی کاروبار میں وہ محض اپنا ضرورت سے زائد مال دے کر بلا کسی محنت و مشقت کے دوسروں کی کمائی میں شریک غالب بن جاتا ہے۔ اس کی حیثیت اصطلاحی "شریک" کی نہیں ہوتی جو نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے، اور نفع میں جس کی شرکت نفع کے تناسب سے ہوتی ہے، بلکہ وہ ایسا شریک ہوتا ہے جو بلا لحاظ نفع و نقصان اور بلا لحاظ تناسب نفع اپنے طے شدہ منافع کا دعوے دار ہوتا ہے۔

ان وجوہ سے تجارت کی معاشی حیثیت اور سود کی معاشی حیثیت میں اتنا عظیم الشان فرق ہو جاتا ہے کہ تجارت انسانی تمدن کی تعمیر کرنے والی قوت بن جاتی ہے اور اس کے برعکس سود اس کی تخریب کرنے کا موجب بنتا ہے۔ پھر اخلاقی حیثیت سے یہ سود کی عین فطرت ہے کہ وہ افراد میں بخل، خود غرضی، شقاوت، بے رحمی اور زر پرستی کی صفات پیدا کرتا ہے، اور ہمدردی و امداد باہمی کی روح کو فنا کر دیتا ہے۔ اس بنا پر سود معاشی اور اخلاقی دونوں حیثیتوں سے نوع انسانی کے لیے تباہ کن ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ جو کچھ اس نے کھالیا، اسے اللہ معاف کر دے گا، بلکہ ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ "جو کھاچکا سو کھاچکا" کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو کھاچکا، اسے معاف کر دیا گیا، بلکہ اس سے محض قانونی رعایت مراد ہے۔ یعنی جو سود پہلے کھایا جاچکا ہے، اسے واپس دینے کا قانوناً مطالبہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اگر اس کا مطالبہ کیا جائے تو مقدمات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا جو کہیں جا کر ختم نہ ہو۔ مگر اخلاقی حیثیت سے اس مال کی نجاست بدستور باقی رہے گی جو کسی نے سودی کاروبار سے سمیٹا ہو۔ اگر وہ حقیقت میں خدا سے ڈرنے والا ہو گا اور اس کا معاشی و اخلاقی نقطہ نظر واقعی اسلام قبول کرنے سے تبدیل ہو چکا ہو گا، تو وہ خود اپنی اس دولت کو، جو حرام ذرائع سے آئی تھی، اپنی ذات پر خرچ کرنے سے پرہیز کرے گا اور کوشش کرے گا کہ جہاں تک ان حق داروں کا پتہ چلایا جاسکتا ہے، جن کا مال اس کے پاس ہے، اس حد تک ان کا مال ان کو واپس کر دیا جائے۔ یہی عمل اسے خدا کی سزا سے بچا سکے گا۔ رہا وہ شخص جو پہلے کمائے ہوئے مال سے بدستور لطف اٹھاتا رہے تو بعید نہیں کہ وہ اپنی اس حرام خوری کی سزا پا کر رہے۔ [17]

اختتام بحث:

مذکورہ بالا مسئلہ میں فقط سرمایہ کاری اور اس کے حصول میں نفع و نقصان کے متعلق بحث کی گئی ہے جبکہ، کاروبار کی اقسام، سود کی مفصل صورتیں، بینکوں کا نظام، سود کا لین دین، متبادل نظام، بچنے کا طریقہ، اسلامی بینکنگ کی خصوصیات و نقصانات، بیع کی اقسام یہ سب ایک الگ موضوع ہے جو یہاں ذکر نہیں کیا گیا بلکہ بہت اختصار سے پورے مضمون کو مدون کیا ہے تاکہ زید کو سمجھنے میں آسانی ہو اور ذہن کسی اور موضوع پر جائے بغیر اپنی اصل کو پالے۔ بصورتِ دیگر قاری کے ذہن میں اگر اور شبہات جنم لیں تو ان کا جواب بھی تسلی بخش دیا جائے گا۔ اللہ ہمیں اس ظلم عظیم یعنی سود سے بچنے اور حلال بیع پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔
آمین بجا النبی علیه وتسلیم

محمد مرصاد حیدر تیمور آسوی
۱۸ جمادی الاول، ۱۴۴۷ھ
11 نومبر، 2025ء

* * * * * *

[17] (تفہیم القرآن، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، سورة نمبر 2 البقرةآیت نمبر 275)